عطار ہو ،رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آہِ سحر گاہی !!

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ذُوالحجّه ۱۴۲۶ھ / جنوری 2006ء

Reg No: P 476

جلد چہارم : شمارہ :5

فہرست

فی شمارہ : -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک : -/180 روپے

خط و کتابت کا پتہ : مدیر ماہنامہ غزالی

مکان نمبر: P-12 یونیورسٹی کیمپس، پشاور

ای میل:>>> mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

zef_pk@yahoo.com

نماز راہ نجات ھے

(حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوریؒ)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم:

اِنّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط(العنکبوت: ۴۵)

ترجمہ: ''یقیناً نماز بے حیائی اور بُرائی سے روکتی ہے۔''

یقیناً الصّلوۃ (نماز) انسان کو برائیوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے روک دیتی ہے، اس جگہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے ''**الصّلوۃ**'' انسان کو فواحشات و منکرات سے روک دیتی ہے۔ فواحش بھی منکر کا حصہ ہے شیطان انسان کو ابتداء میں فواحش کے راستے سے مارتا ہے۔ قرآن میں آتا ہے'' کہ شیطان تم کو حکم دیتا ہے بے حیائی کی باتوں کا'' انسان کی طبعیت کا رجحان بُرائیوں کی طرف ہوتا ہے۔ نماز یقیناً فواحش و منکرات سے روکتی ہے۔ یہاں نماز لفظ معرفہ ہے ''**الصّلوٰۃ**'' یعنی وہ خاص طریقے اور ترتیب والی نماز جو اللہ و رسول نے بتائی۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز کو اس طرح پڑھو جس طرح مُجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ دوسری جگہ قرآن میں نماز کے متعلق ارشاد ہے۔ کہ

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ۝(طٰہٰ: ۱۴)

ترجمہ: ''کہ نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو۔''

نماز حقیقت میں یادِ حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کچھ ظاہر کے احکام دیتے ہیں اور کچھ باطن کے احکام دیتے ہیں۔ جس قدر اپنے میں پختگی ہوگی اسی قدر انسان فواحشات و منکرات سے بچتا رہے گا۔ اگر نماز بھی پڑھتے ہیں اور ساتھ گُناہ بھی سرزد ہوتے ہیں تو سوچو کہ میری نماز اس سطح پر نہیں آئی ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ نماز کو بنانے کی محنت کرنی ہوگی، ایک محنت نماز کی داخلی محنت ہے اور ایک نماز کی خارجی محنت ہے۔ دونوں اکٹھی ساتھ ساتھ چلیں گی تو ایک دوسرے پر اثر کریں گی۔ نماز کے ظاہری اور باطنی احکام کو جتنا انسان بنالے اور استوار کرلے اتنا انسان کامیاب ہوگا۔ قرآن میں آتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ(المؤمنون:۲)

ترجمہ: ''کہ پوری کامیابی ان لوگوں نے پائی جو نماز میں خشوع کرتے ہیں''

خشوع کی حقیقت انسان پر کھل جائے کہ خشوع کیا ہے؟ خشوع عدم حرکت کو کہتے ہیں یعنی سکون کی حالت ہو۔ شریعت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر و باطن کے تمام اعضاء کو جو حکم نماز کے مطابق دیا گیا ہے اس کے خلاف حرکت نہ ہو، اگر دِل کو عمداً اور اِرادہ سے غیر میں مشغول کرتے ہیں تو یہ دِل کا عدم خشوع ہے کیونکہ دِل ساکن ہوجائے دھیانِ حق میں تو یہ دِل کا خشوع ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہے ہیں۔ اگر دل میں خشوع ہوتا ہے تو ہاتھ بھی خاشع ہوتا ہے، جسم کے خشوع کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ اندام کو رکھنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں رہے۔ قیام، رُکوع، سجدہ، قومہ، جلسہ وغیرہ میں جس جس اندام کو جہاں جہاں رکھنے کا حکم ہے ہر عضو وہاں پر رہے۔ اسی طرح دماغ کی سوچ کے بارے میں حکم ہے کہ دماغ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ نماز میں پورے جسم کی مشق کرائی جاتی ہے، نماز میں وساوس بھی آتے ہیں اور عام طور پر لوگ وساوس سے گھبراتے ہیں حالانکہ وساوس کا آنا بُرا نہیں، لانا اور جمانا منع ہے۔ وساوس کا آنا شیطان کا فعل ہے اور شیطان کے فعل پر انسان کو نہیں پکڑا جاتا ہے۔ اور اگر وساوس کو خود سوچ سوچ کر لائے اور ان کو جمائے اور آگے بڑھائے تو یہ پھر انسان کا فعل ہوجاتا ہے۔ شیطان کے وساوس کی مثال کُتے کے بھونکنے کی طرح ہے، کُتا بھونکتا ہے اور انسان اپنی راہ پر چلتا ہے، اسی طرح شیطان بھونکتا رہے اور انسان خیال و دھیان ہی نہ کرے۔

نماز میں چند چیزوں کا مطالبہ ہے، ایک ہے پورے جسم کا ایک خاص ہیئت پر رکھنا، دوسری چیز کچھ کلمات کا پڑھنا ہے اور تیسری چیز دھیان کے جمانے کا حکم ہے یعنی حضوری کی کیفیت ہو۔ انسان جو کلمات نماز میں پڑھتا ہے معنی سمجھ کر پڑھے، اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا بھی دھیان ہو۔ مثال کے طور پر ایک چھوٹا بچہ ہے اُستاد نے اس کو **الحمد شریف** معنی کے ساتھ پڑھائی پھر اُستاد نے اس کو کہا کہ **الحمد** معنی کے ساتھ سناؤ، اس حالت میں بیک وقت بچہ کے ذہن میں کئی چیزیں ہونگی۔ پہلی بات یہ ذہن میں ہوگی کہ اُستاد حاضر و ناظر ہیں، موجود ہیں، سُن رہے ہیں، دوسری بات یہ ذہن میں ہوگی کہ اگر صحیح سنایا تو ممکن ہے کہ خوش ہوکر انعام دیں۔ اور اگر غلط سنایا تو ممکن ہے سزا دیں یعنی اس بچہ کو خوف واُمید دونوں ہونگیں۔ سنانے کے دوران وہ اس بات کا بھی خیال رکھے گا کہ لفظ صحیح ادا ہو اور ساتھ معنی پر بھی دھیان رکھے گا۔ جب ایک چھوٹا بچہ ایک ہی وقت میں پانچ چھ چیزوں کا دھیان رکھتا ہے، اسی طرح ہم سے بھی یہ مطالبہ ہے کہ ہم **مَالِكُ الْمُلْك** کے سامنے کھڑے ہیں۔ تو یہ مطالبہ ہے کہ وہ حاضر و ناظر سُن رہے ہیں۔ اگر صحیح پڑھی تو انعام دیں

گے اور اگر غلط پڑھی تو پکڑا نہ جاؤں۔ جیسے وہاں الفاظ کا دھیان ہے، اسی طرح یہاں بھی الفاظ کا دھیان ہو۔ اگر انسان مشق کرے تو آسانی سے یہ بات قابو میں آسکتی ہے۔

اصل میں ہم نماز عادتاً پڑھتے ہیں۔ بچپن سے نماز جس طرح شروع کی ہے اسی طرح پڑھتے رہے ہیں۔ جیسے گھڑی کو ایک دفعہ چابی دی جاتی ہے اور وہ پھر چلتی ہے، اسی طرح ہم نے نماز شروع کی اور تکبیر تحریمہ کی چابی دے کر بے فکر ہوگئے۔ اور سلام پر نماز ختم ہوگئی۔ ہم نماز اِرادہ سے نہیں پڑھتے ہیں اور نہ ایک ایک لفظ اِرادہ سے ادا کرتے ہیں۔ ہماری نماز ایسی نہ ہو کہ جیسے گاڑی کو ایک دفعہ دھکا دیتے ہیں اور وہ پھر خود بخود کچھ فاصلہ تک چلتی ہے بلکہ ایک ایک لفظ پورے دھیان اور اِرادہ کے ساتھ ادا کریں اور ٹھہراؤ کے ساتھ پڑھیں۔ ابتداء اس میں کچھ دِقت ہوگی۔ نماز کے لفظوں کے طرف دھیان، اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان، معنی کی طرف دھیان یعنی نماز کے اندر انسان نماز کے متعلقات میں مشغول ہو تو نماز..... نماز ہوگی۔ اور اگر نماز کے اندر انسان نماز کے خارج کی چیزوں میں مشغول ہو تو نماز خراب ہوجائے گی۔ رُکوع وسجدہ میں انسان تین تین دفعہ تسبیحات کہنے کے بجائے پانچ پانچ مرتبہ تسبیحات کہے۔ **ربنا لك الحمد** کے بعد **حمداً کثیراً طیباً** کہے۔ اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان دُعائیں **رب اغفرلی، ورحمنی، وھدنی، ورزقنی** پڑھے۔ دونوں سجدوں کے درمیان دُعاء قبول ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ پڑھنے سے ٹھہراؤ ہوگا، ٹھہراؤ کے بعد لگاؤ ہوگا، لگاؤ کے بعد دھیان میسر آئے گا اور دھیان کے بعد حقیقت صلوٰۃ ہوگی۔ جتنی نماز کامل اور پختہ ہوگی اسی قدر باہر کے اعمال پختہ ہوں گے۔ باہر کی محنت بھی نماز کے نقشہ پر ہو۔ فجر کی نماز پڑھی تو پھر ظہر کے نماز کا انتظار ہو۔ نماز کے لئے انتظار بھی نماز میں محسوب ہوتا ہے۔

سات آدمی قیامت کے دِن عرش کے سائے تلے ہوں گے۔ ان میں ایک آدمی وہ ہے جس کا دِل مسجد میں معلق رہتا ہے۔ دوسری چیز اس بات کا دھیان رہے کہ جب کوئی گناہ ہونے لگے تو یہ خیال کرے کہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اپنے سے کہے کہ روسیاہ کس منہ سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جائے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان نماز سے بھاگنے لگے۔ اگر انسان کو سچی فکر لگ جائے تو پھر تمام گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے گا۔

———————★★★★★———————

"**حریص آدمی ہمیشہ ذلیل ہوتا ھے**" (مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خانؒ صاحب)

اصلاحی مجلس

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ) (قسط : ۲)

ایک شہر سے ٹیلی فون کیا ہمارے ایک ساتھی نے کہ یہاں پر سکولوں کی چھٹیاں ہوگئی ہیں اور شاید یہ بھی اُس پٹی پر آتا ہے یہاں بھی خوف و ہراس ہوگیا زلزلے کا، میں نے کہا کہ فکر نہ کریں آرام سے سوئیں مزے کریں کہ جس کے لیے اللہ کا امر آیا ہوا ہے اُنہیں اللہ تعالیٰ لے جائے گا۔ڈاکٹر سیار صاحب (خلیفہ ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ) خواب سنا رہے تھے کہ انکی والدہ صاحبہ کی کچھ عرصہ پہلے وفات ہو چکی ہے، وہ خواب میں آئیں اور خاندان کی دو عورتوں اور ایک میرے لیے ہار لے کر آئیں اور ساتھ ہی انھوں نے ایک عورت کا بتایا کہ اُن کو لے جانے کے لیے آئی ہوں، اُسکی وفات ہوگئی اُسی دِن ۔جس کو اللہ نے لے جانا ہے لے جائے گا، جس کو نہیں جانا تو یہ بھی اُسی کی مرضی ہے، سُبحان اللّٰہ

ہمارے بھائی کی وفات ہوگئی اڑتالیس سال کی عمر میں، بس منٹ میں ہارٹ اٹیک ہو کر وفات ہوگئی، چھوٹا بیٹا رہ گیا اسکی کوئی چودہ پندرہ سال عمر تھی، بڑا روتا تھا اس کے پیچھے۔کہتے ہے ایک دِن میں رویا، بڑا غمگین ہوا، اُداس ہوا میں نے کہا کہ یا اللہ! یہ اگر زندہ رہتا تو......، کہتے ہیں کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ وہ زندہ ہے ایسے حال میں کہ جیسے پاگل آدمی ہوتا ہے، مجھ سے کہا گیا کہ یہ زندہ رہ سکتا تھا لیکن اس طرح زندہ رہ سکتا تھا.....پھر مجھے تسلی ہوگئی کہ اسطرح زندہ رہنے سے تو موت اچھی ہوگئی، سُبحان اللّٰہ. . . .

اگر خدانخواستہ تکالیف، مشکلات و پریشانی والی زندگی ہوتی تو اس سے تو یہ اچھا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ آسانی سے فارغ کر دیں، ایسے تو نہیں کہا گیا کہ ؎

خرم آں روزے کہ از منزل ویران بروم   راحت جان طلبم و سوئے جانان بروم

''کہ کتنی خوشی کا دن ہوگا کہ جب اس ویران منزل سے جائیں گے جان کی راحت پائیں گے اور جانان یعنی دوست کے پاس جائیں گے،بس اللہ میاں کے پاس پہنچ جائیں گے۔''

یہ مؤمن کو اللہ تعالیٰ نے نقد انعام دیا ہوا ہے، ہمارے پاس سارا دِین انعام ہے اس لیے کہا گیا ہے کہ:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِ سْلَامَ دِیْنًا ۔(المائدہ : ۳)

ترجمہ: ''آج میں پورا کر چکا تمہارے لیے دِین تمہارا، اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا، اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دِین۔''

لیکن اس میں توحید، تقدیر اور آخرت تو خاص جوہر، گوہر، ہیرے اور خزینے ہیں، اتنی قوت والی ذات ہے اللہ تعالیٰ کی، شانِ کبریائی، عظمت اور قوت والی۔ آدمی اسکا بندہ ہوجائے اُس کا غلام ہوجائے تو کتنی قوت اُسکو محسوس ہوتی ہے اپنے اندر، اور تقدیر یعنی.... جو بات ہے وہ ہوکر رہے گی اسکو کوئی ٹال نہیں سکتا، جو نہیں ہے اسکو کوئی کر نہیں سکتا، پریشان ہونے کی کیا صورت ہے اور آخرت کی تو ایسی رعنائیاں، ایسی خوشنمائیاں ہیں کہ سُبحان اللّٰہ۔ جس آدمی کا پہلا دِن قبر میں ہوتا ہے اُس دِن اُسکی ملاقات کیلئے ایک حُور آتی ہے جس کے گلے میں ایک ہار ہوتا ہے، اسکو دیکھ کر ایسی کشش ہوتی ہے کہ اُسکو چھونے کے لیے اپنا ہاتھ آگے کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ ہار ٹوٹ کر گر جاتا ہے۔ دونوں اسکو سمیٹنے میں لگتے ہیں، ابھی پوری طرح سمیٹا ہی نہیں ہوتا کہ قیامت ہوجاتی ہے، ایسی راحتیں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہیں۔

حضرت سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سیّد شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جو آخری معرکہ ہے بالاکوٹ کا، اس میں سیّد صاحبؒ نے سب میں اسلحہ تقسیم کردیا اور تھوڑا تھوڑا کھانا کھاکر سب کو حملہ کرنے کا وقت بتادیا۔ جو آدمی دیگ پکار ہا تھا کھانے کی، دیگ پکا رہا ہے چمچہ ہلا رہا ہے۔ ایسے ہی اُوپر اس نے دیکھا، اس نے جوں اُوپر دیکھا چمچہ اُٹھایا اور دیگ پر مارا اور کہا کہ اب تو تیرے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھائیں گے، اور اکیلے حملے کے لئے اُس نے اسلحہ لیا اور چھلانگ لگائی، اسکو روک رہے ہیں کہ صبر کرو بھائی، دیگ پکا رہے ہو، اُس نے کہا کہ بس... اب صبر نہیں ہے، یہ مزے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آخرت کی زندگی میں رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ منکر نکیر کا تذکرہ بہت ہوا ہے پشتو میں کیا کہتے ہیں منکر نکیر کو جی..... انکیر منکیر۔ کتنا خوف وہراس بیان ہوا ہے منکیر نکیر کا، یہاں تک کہ جو حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے عزرائیل علیہ السلام سے کہا کہ تو فاسق فاجر کی رُوح کیسے قبض کرتا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! آپ میرے اس حال کو دیکھ کر برداشت نہیں کرسکیں گے، کہا کہ نہیں مجھے دِکھاؤ، اُس نے کہا کہ آپ اپنا چہرہ مبارک پھیریں اُدھر، ابراھیم علیہ السلام نے منہ پھیرا، اور واپس جو مُڑ کر دیکھا تو غش کھا کر گر گئے، اتنی دہشت ناک صورت تھی۔ پھر انھوں نے فرمایا کہ اگر دوزخی کو اور کوئی عذاب نہ ہو صرف تیری صورت کو دِکھایا جائے تو یہی بہت بڑا عذاب ہے۔ پھر پوچھا کہ تو جنتی کی رُوح کیسے قبض کرتا ہے؟ اُنھوں نے منہ پھیرا، پھر جو پیچھے دیکھا تو ایسا حسین وجمیل جوان کھڑا تھا، کہا کہ اگر جنتی کو اور کوئی نعمت نہ ملے تو تیرا دیکھنا یہی ایک اُس کے لیے کافی ہے۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا کرتے تھے کہ منکر نکیر کا تذکرہ بھی آیا اور مبشر بشیر کا بھی آیا ہے، منکر نکیر اور مبشر بشیر۔ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے پاس جو فرشتے جاتے ہیں وہ مبشر بشیر ہیں، فضائلِ صدقات میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ پانچ سو فرشتے آتے ہیں اور دو قطاریں باندھ کر ان کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں جنت کے پھولوں کے گلدستے ہوتے ہیں، ہر گلدستے میں بیس رنگ کے پھول ہوتے ہیں اور ہر پھول میں نئی خوشبو ہوتی ہے۔ اور ایک فرشتہ آگے بڑھتا ہے اور اس کے پاس سفید رومال میں کستوری (مُشک) ہوتی ہے۔ کستوری کو اُسکی ٹھوڑی کے نیچے رکھتا ہے اور پھر جوں ہی اللہ تعالیٰ غیب کے پردے کو کھولتا ہے اور آپ لوگوں نے یقیناً دیکھا ہوگا کہ آدمی زندہ ہوتا ہے اور اُسکی نظر ایک جگہ آ کے ٹِک جاتی ہے۔ اُسکو آواز دیں، جواب نہیں دیتا کسی کے ساتھ بات نہیں کرتا تو اس وقت عالم غیب اللہ تعالیٰ اُسکو دِکھاتا ہے۔ جنت والا ہے تو جنت کو دیکھتا ہے، دوزخ والا ہے دوزخ کو دیکھتا ہے اور اُس وقت اُس کی جنت کا نظارہ سامنے کیا جاتا ہے، اور اُسکی ملاقات کی خوشی میں اُس کی حوریں جب اُچھلتی ہیں تو اس پر ایسا حال طاری ہوتا ہے کہ اسکی رُوح کہتی ہے کہ اب مجھے اس پنجرے سے نکالا جائے کیونکہ رُوح بدن میں ایسا محسوس کرتی ہے جیسے پرندہ پنجرے میں محسوس کرتا ہے کہ اسکو نکالا جائے، ایسی ہی خوشی سے رُوح جاتی ہے۔

۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے کہ میری ڈیوٹی تھی اور ایک آدمی کو گولی لگے ہوئے لایا گیا، ہم بھاگ دوڑ کر رہے ہیں اسکے آپریشن کے لیے بندوبست کر رہے ہیں کہ اتنے میں اس پر نزع طاری ہوا۔ میں نے دیکھا کہ فوراً اسکا چہرہ کالا ہوگیا، اور اتنی خراب صورت بنا رہا تھا کہ پشتو میں کہتے ہیں کہ خُلہ ئے چینگو لہ کہ چہرے کو بگاڑ رہا تھا۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ نزع طاری ہوگیا ہے، میں نے اس کے گرد جتنے آدمی ساتھ کھڑے تھے سب کو دیکھا.... کسی کے چہرے پر نماز کی رونق نہیں تھی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ تہکال اور غریب آباد کا فلانا اُجرتی قاتل ہے یعنی پیسے لے کر لوگوں کو قتل کرتا ہے۔ اسکو گولی لگی ہے، اس کے نزع کا وحشت ناک نظارہ بتا رہا تھا کہ آدمی کدھر جا رہا ہے؟

(Angel Sign) کا آپ کو ایک لطیفہ سُناتا ہوں۔ جن دِنوں جب ہم وارڈ میں ہوتے تھے ان دِنوں جو نیک آدمی ہوتا تھا، اسکی موت کے وقت اس پر ایک خاص رونق آتی تھی اسکو میں دیکھتا تھا۔ ایک بچہ تھا صبح ہم راؤنڈ کر رہے تھے مریض تھا اسکو گردے کا کینسر تھا، اس دن میں نے دیکھا جیسے اسکو کسی نے نہلایا دُھلایا ہوا ہے، ایسا چمک رہا ہے جیسے پھول کھلا ہوا ہے۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ حدیث میں جو علامتیں

آئی ہوئی ہیں نیک آدمی کے دُنیا سے گزرنے کی اس بچے پر سارے علامتیں آگئیں، انھوں نے میرا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا کہ یہ تو (Angel Sign) ظاہر ہوگیا۔ دراصل ہر بیماری کی تشخیص کے لئے کچھ علامات ہوتی ہیں اُن علامات کو (Signs) کہتے ہیں وہ مجھ سے اکثر پوچھتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب اینجل سائن (Positve) ہے کہ نہیں، اگر (Positve) ہے تو پتہ چل جاتا کہ آدمی کہاں جارہا ہے۔

وارڈ کی ڈیوٹی کے دوران جو موتیں بندہ کے سامنے ہوئیں اور اُس میں نیک لوگوں پر جو رونق ظاہر ہوتی رہی، اسی طرح فاسق فاجر لوگوں پر جو عبرت آموز حالات طاری ہوتے رہے...... دیکھنے کے قابل ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو کچھ کو لکھ کر ہدیۂ ناظرین کریں گے۔

------★★★★★------

فاروقی عدالت میں ایک عورت:

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک عورت آئی اور اُس نے کہا ''امیرالمومنین! میرے شوہر جیسا نیک آدمی شاید دُنیا میں کوئی نہیں، وہ دِن بھر روزہ رکھتے اور رات بھر نماز پڑھتے رہتے ہیں'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگئی۔ حضرت عمر فاروقؓ اس کی بات کا منشاء پوری طرح نہ سمجھ پائے اور فرمایا: ''اللہ تمہیں برکت دے اور تمہاری مغفرت کرے۔ نیک عورت اپنے شوہر کی ایسی ہی تعریف کرتی ہے۔'' عورت یہ سُن کر جانے لگی، حضرت کعب بن سوارؓ بھی موجود تھے، اُنہوں نے عورت کو واپس جاتے دیکھا تو حضرت عمرؓ سے کہا: ''امیرالمؤمنین! آپ اس کی بات نہیں سمجھے، وہ اپنے شوہر کی تعریف نہیں، شکایت کرنے آئی تھی، اس کا شوہر جوشِ عبادت میں زوجیت کے حقوق پورے ادا نہیں کرتا''۔ فرمایا ''اچھا یہ بات ہے۔'' حضرت عمرؓ نے فرمایا ''بلاؤ اُسے!'' وہ عورت پھر واپس آئی، اس سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی حضرت کعب بن سوارؓ کا خیال صحیح تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے فرمایا کہ ''اب تم ہی اس کا فیصلہ کرو۔'' اس پر حضرت کعب بن سوارؓ نے کہا: ''امیرالمؤمنین! اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کو زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے، اگر کوئی شخص اس اجازت پر عمل کرتے ہوئے چار شادیاں کرے تو بھی ہر بیوی کے حصّے میں چار میں سے ایک دِن رات آتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر چوتھا دِن رات ایک بیوی کا حق ہے لہٰذا آپ فیصلہ دیجئے کہ اس عورت کا شوہر تین دِن عبادت کرسکتا ہے، لیکن چوتھا دِن لازماً اسے اپنی بیوی کے ساتھ گزارنا چاہیے۔'' یہ فیصلہ سُن کر حضرت عمر فاروقؓ پھڑک اُٹھے اور فرمایا: ''یہ فیصلہ تمہاری پہلی فہم وفراست سے بھی زیادہ عجیب ہے''۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت کعب بن سوارؓ کو بصرہ کا قاضی بنادیا۔ (تراشے)

رحمتِ عالم

(ثاقب علی خان)

جن ایّام میں داعی توحید صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ؐ کے پیروؤں کے خلاف جبابرۂ قریش کے غیض و غضب کا طوفان پوری شدت سے اُٹھ رہا تھا اور ہر قائلِ کلمۂ توحید کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اس دورِ آشوب میں بھی مصیبت زدہ لوگوں کے حال پر آنسو بہانا، یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرنا، رانڈوں کی سرپرستی کرنا، مفلوک الحالوں اور مسکینوں کی ڈھارس بندھوانا اور مظلوموں کی دادرسی کرنا، اس ذاتِ مقدس علیہ التحیۃ والسلام کا خاص شیوہ تھا جو دُنیا جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجی گئی تھی۔ یہاں مثال کے طور پر اعانتِ مظلوم کا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

قیمت ادا کرنے سے ابو جہل کا انکار:

ایک سوداگر اُونٹوں کا گلا لے کر بغرض فروخت مکہ آیا۔ ابوجہل نے بھی چند اُونٹ خریدے مگر قیمت نہ دی۔ سوداگر نے بہتیری منت سماجت کی لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہاں حکومت بھی کوئی نہ تھی جس کے پاس فریاد کرتا۔ مایوس و ناچار ہو کر حرمِ کعبہ آیا اور قریش کی محفل میں پہنچ کر کہنے لگا کہ آپ صاحبوں میں کوئی ایسی معزز ہستی موجود ہے جو مجھے عمر بن ہشام (ابوجہل) سے رقم دِلوا دے یا بالفعل اپنے پاس سے دے کر بعد میں اس سے وصول کر لے؟ لیکن عمائدِ قریش میں ایک متنفس بھی انصاف پسند اور دادخواہ نہ نکلا۔ اس وقت سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسجد الحرام کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے۔

داد رسی کی بجائے شرارت و دل لگی:

چونکہ ابوجہل سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دُشمن تھا، امراء فساق کو دادرسی کی بجائے اُلٹا شرارت و دل لگی کا ایک سنہری موقع ہاتھ آیا۔ رؤساء فجار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اِشارہ کر کے کہنے لگے دیکھو وہ شخص جو مسجد کے کونے میں بیٹھا ہے اس سے جا کر کہو، وہ تمہاری رقم دلوا دے گا۔ پردیسی سوداگر حقیقت حال سے بے خبر تھا۔ وہ آ کر حضرت اقدس ؐ سے کہنے لگا... اے بندۂ خدا! عمر بن ہشام نے میری رقم دَبا لی ہے اور میں سخت بدحال و غریب الوطن ہوں، میں نے ان لوگوں سے درخواست کی تھی کہ میری رقم دِلوا دیں، اُنھوں نے مجھے آپ ؐ کی طرف بھیجا ہے، آپ چل کر میرے دام دِلوا دیجئے۔ خدا آپ پر رحم کرے گا۔

رقم دلانے پر آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی آمادگی:

ہر چند کہ آپؐ سے مذاق کیا گیا تھا اور بظاہر کامیابی کی کوئی اُمید نہ تھی، لیکن چونکہ آپؐ ضعیفوں کے حامی اور بے کسوں کے ملجاء وماویٰ تھے، آپؐ کی رگِ حمیت وغیرت جوش میں آ گئی اور سوداگر سے فرمانے لگے چلو میں تمہاری رقم دلواتا ہوں۔ جب آپؐ سوداگر کو ساتھ لے کر ابوجہل کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو قریش کے سردار متحیر ہوئے کہ ہم نے تو مذاق کیا تھا لیکن یہ تو سچ مچ ابوجہل سے رقم دِلانے جارہے ہیں۔ جھٹ ایک آدمی آپؐ کے پیچھے روانہ کیا کہ دیکھ یہ جا کر کیا کرتے ہیں؟

ابوجہل کا تھر تھر کانپنا:

آپؐ نے ابوجہل کے مکان پر پہنچ کر دروازہ پر دستک دی۔ اس نے کہا کون ہے؟ آپؐ نے پُر جلال لہجہ میں فرمایا ''میں محمد ہوں ذرا باہر آؤ'' ان الفاظ میں حق وصداقت کی جو رُوح تھی وہ اپنا کام کر گئی۔ باوجودیکہ ابوجہل آپؐ کے لیے خونخوار بھیڑیا تھا، تاہم آپ ﷺ کی آواز سنتے ہی سہم گیا، جھٹ باہر آیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ''اس پردیسی کے دام دے دے''۔ ابوجہل کا چہرہ خوف کے مارے زرد پڑ گیا تھا اور بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ بولا ..... ٹھہریے میں ابھی اس کے دام لاتا ہوں، یہ کہہ کر جھٹ اندر گیا اور رقم لا کر سوداگر کے حوالے کی۔ یہ ماجرا دیکھ کر قریش کا آدمی واپس گیا۔ زعمائے قریش نے پوچھا کیا دیکھ کر آیا ہے؟ اس نے کہا کیا بتاؤں بڑی حیرت کی بات دیکھی ہے۔ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عمر (ابوجہل) کے دروازے پر دستک دی تو وہ فوراً باہر نکل آیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر خوف کے مارے مردنی چھائی تھی۔ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کہا اس کی رقم دے دے تو کہنے لگا میں ابھی لاتا ہوں۔ چنانچہ فوراً رقم لا کر سوداگر کے حوالے کی۔

ابوجہل کو لعن طعن:

اتنے میں ابوجہل بھی مجلس میں آ پہنچا۔ سب لوگ کہنے لگے تیرا بُرا ہو آج تُو نے بڑی نامردی دکھائی اور حماقت کا ثبوت دیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آواز دیتے ہی تیرا اپا خانہ خطا ہو گیا۔ کہنے لگا مجھے خود تعجب ہے، اس وقت مجھ پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کچھ ایسا رُعب چھا گیا تھا کہ انکار کی کسی طرح ہمت نہ پڑی۔ (سیرتِ ابن ہشام)

خوفناک اُونٹ کی دھشت:

یہ رُعب وجلال حقیقت میں منصب نبوت کی ہیبت تھی، جس نے غریب الوطن مظلوم کی دادخواہی

کے لیے اپنا جلوہ دکھایا تھا۔اس واقعہ کو ابن اسحٰق ،بیہقی اور ابو نعیم نے بھی روایت کیا ہے لیکن اخیر میں ابو جہل کے اس بیان کا بھی اضافہ کیا ہے کہ میں نے دیکھا کہ میرے سر پر ایک اُونٹ نے اپنی گردن بڑھائی ہے۔ میں نے اپنی عمر میں اتنی بڑی کھوپڑی ،اتنی موٹی گردن اور اتنے بڑے بڑے دانتوں والا اُونٹ کبھی نہیں دیکھا تھا۔اگر میں اس وقت انکار کرتا تو وہ مجھ کو کھا جاتا۔ (انتخاب از سیرت کبریٰ)

——————★★★★★——————

فضلِ خُداوندی:

جناب قدرت اللہ شہاب مرحوم لکھتے ہیں: انسٹی ٹیوٹ آف پیرا سائیکالوجی کے سربراہ پروفیسر مٹین ہاف اکثر مہینے میں ایک ویک اینڈ ہمارے ہاں گزارا کرتے تھے۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مُرشد حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ’ضیاء القلوب‘ کا انگریزی ترجمہ کر کے میں نے انہیں دیا تو وہ ششدر رہ گئے۔ان کا جی تو بہت للچایا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائیں، لیکن اپنی ملازمت کے تحفظ کی فکر اور معاشرے کے خوف سے اس سعادت سے محروم رہے۔البتہ انکی سٹینو گرافر مِس جین ڈالٹن پر بیٹھے بٹھائے اللہ کا فضل ہو گیا۔اپنے اِدارے میں واپس جا کر پروفیسر صاحب نے ’ضیاء القلوب‘ کا انگریزی ترجمہ اپنی سٹینو گرافر کے حوالے کر دیا کہ وہ اسے اُن کے کاغذات کے ساتھ سنبھال کر رکھ دے۔مِس ڈالٹن تجسس کا شوق رکھنے والی تحقیق پسند لڑکی تھی۔اس نے ’ضیاء القلوب‘ کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر ایسا اثر قبول کیا کہ ایک روز ہمارے ہاں آئی اور درخواست کی کہ ہم اُسے مسلمان کر دیں۔

میں نے کہا کہ وہ خوب سوچ سمجھ کر بتائے کہ وہ کیوں مسلمان ہونا چاہتی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ وہ اس راہ سُلوک پر چلنے کی آرزومند ہے جسے اختیار کرنے کا طریقہ ’ضیاء القلوب‘ میں بتا گیا ہے۔ہم نے نہایت خاموشی سے اُسے مشرف بہ اسلام کر کے اُس کا نام رابعہ رکھ دیا۔اس کے بعد کچھ عرصہ تک وہ ہمارے ہاں رہی۔میری اہلیہ نے اُسے قرآن شریف ختم کروایا۔پھر وہ ملازمت چھوڑ کر اپنے گاؤں چلی گئی اور عبادت اور ریاضت کے سہارے راہِ سُلوک پر ایسا قدم رکھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے ہم جیسے گناہگاروں کی پہنچ سے بہت دُور نکل گئی۔اور اب کچھ عرصہ سے اس کا مستقل قیام مکہ معظّمہ اور مدینہ منوّرہ میں ہے۔ **(از شہاب نامہ)**

——————★★★★★——————

”بُرائی لکھنے والا مثل اس کے کرنے والے کے ہے“ (حدیث دیلمی)

﴿ایک واقعہ....... دو سبق﴾

حضرت شقیق بلخیؒ اور حضرت ابراہیم ادہمؒ دونوں ہم زمانہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار شقیق بلخیؒ اپنے دوست ابراہیم ادہمؒ کے پاس آئے اور کہا کہ میں ایک تجارتی سفر پر جارہا ہوں، سوچا کہ جانے سے پہلے آپ سے ملاقات کرلوں، کیونکہ اندازہ ہے کہ سفر میں کئی مہینے لگ جائیں گے۔

اس ملاقات کے چند دِن بعد حضرت ابراہیم ادہمؒ نے دیکھا کہ شقیق بلخیؒ دوبارہ مسجد میں موجود ہیں، پوچھا....آپ سفر پر نہیں گئے؟ کہا... ''گیا تھا لیکن راستہ میں ایک واقعہ دیکھ کر واپس ہوا، ایک غیر آباد جگہ پہنچا وہیں میں نے پڑاوٗ ڈالا، وہاں میں نے ایک چڑیا دیکھی جو اُڑنے کی طاقت سے محروم تھی۔ مجھے اُس کو دیکھ کر ترس آیا، میں نے سوچا کہ اس ویران جگہ پر یہ چڑیا اپنی خوراک کیسے پاتی ہوگی۔ میں اس سوچ میں تھا کہ اتنے میں ایک اور چڑیا آئی، اس نے اپنی چونچ میں کوئی چیز دَبا رکھی تھی وہ معذور چڑیا کے پاس اُتری تو اُس کی چونچ کی چیز اس کے سامنے گر گئی۔ معذور چڑیا نے اُس کو اُٹھا کر کھالیا، اس کے بعد آنے والی طاقت ور چڑیا اُڑ گئی، یہ منظر دیکھ کر میں نے کہا...... سُبحان اللہ! خُدا جب ایک چڑیا کا رزق اس طرح اس کے پاس پہنچا سکتا ہے تو مجھ کو رزق کے لئے شہر در شہر پھرنے کی کیا ضرورت ہے، چنانچہ میں نے آگے جانے کا اِرادہ ترک کردیا اور وہیں سے واپس چلا آیا''....... یہ سُن کر حضرت ابراہیم ادہمؒ نے کہا کہ ''شقیق! تم نے اپاہج پرندے کی طرح بننا کیوں پسند کیا، تم نے یہ کیوں نہیں چاہا کہ تمہاری مثال اس پرندے کی سی ہو جو اپنی قوتِ بازو سے خود بھی کھاتا ہے اور اپنے دوسرے ہم جنسوں کو بھی کھِلاتا ہے'' .... شقیق بلخیؒ نے یہ سُنا تو ابراہیم ادہمؒ کا ہاتھ چُوم لیا اور کہا کہ ''ابو اسحاق، تم نے میری آنکھ کا پردہ ہٹادیا، وہی بات صحیح ہے جو تم نے کہی۔''

ایک ہی واقعہ ہے، اس سے ایک شخص نے بے ہمتی کا سبق لیا اور دوسرے شخص نے ہمت کا۔ اسی طرح ہر واقعہ میں بیک وقت دو پہلو موجود ہوتے ہیں۔ یہ آدمی کا اپنا امتحان ہے کہ وہ کس واقعہ کو کس زاویہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ایک زاویہ سے دیکھنے میں ایک چیز بُری نظر آتی ہے۔ دوسرے زاویہ سے دیکھنے میں وہی چیز اچھی بن جاتی ہے۔ ایک رُخ سے دیکھنے میں ایک واقعہ میں منفی سبق آتا ہے اور دوسرے رُخ سے دیکھنے میں مثبت سبق۔ **(انتخاب از کتابوں کی درسگاہ میں)**

—————★★★★★—————

''جو شخص حق کے خلاف کرتا ہے، حق تعالیٰ خود اُس کا مقابلہ کرتا ہے'' (حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ)

نظریۂ محبت

(ظهور الٰهی فاروقی)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے، فرماتے ہیں کہ محبت کی دو قسمیں ہیں ایک عقلی اور ایک طبعی اور مطلوب محبت عقلیہ ہے۔

محبت عقلیه:

حضرت رابعہ بصریؒ کو حضورِ اکرم ﷺ کی محبت عقلیہ حاصل تھی کیونکہ وہ احکام شریعہ کی متبع تھیں اور حضور ﷺ کے اِتباع میں فنا تھیں اور محبت عقلیہ اسی کا نام ہے کہ محبوب کے احکام کی اطاعت کرے اور اپنی خواہش و اِرادہ کو اس کے احکام کے سامنے فنا کردے اس کے حکم پر کسی چیز کو ترجیح نہ دے۔

محبت طبعیه:

مگر طبعی محبت یعنی میلان و انجذاب و وابستگی ان کو حق تعالیٰ سے زیادہ تھی اور قاعدہ ہے کہ محبت طبعیہ خاص درجہ میں ایک ہی سے ہوسکتی ہے دو سے ایک درجہ کی نہیں ہوسکتی اور یہ امر غیر اختیاری ہے کیونکہ اس کا مدار مناسبت طبع پر ہے جو بندے کے اختیار میں نہیں، اسی لئے محبت طبعیہ مامور بہا نہیں بلکہ مامور بہا اور مطلوب.......محبت عقلیہ ہے جو امر اختیاری ہے۔ رہی طبعی محبت تو وہ بعض کو حضورِ اکرم ﷺ سے زیادہ ہوتی ہے اور بعض کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ہوتی ہے۔

مطلوب محبت عقلیه هے:

مطلوب محبت عقلیہ ہے نہ کہ طبعیہ، کیونکہ اُمور طبعیہ سب غیر اختیاری ہیں اور اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاط (البقرة:٢٨٦)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے''

اور راز اس کا وہی ہے جو اُوپر اجمالاً مذکور ہو چکا کہ محبت طبعیہ کا مدار مناسبت باطنی پر ہے اور مناسبت باطنی کسی کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ہے اور کسی کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ ہے اور بعض کو کسی سے بھی مناسبت نہیں۔ وہ محض خشک لکڑی ہیں، جیسے نجدی مگر ان کو بھی ناقص نہ سمجھو کیونکہ ذوق و مناسبت کا نہ ہونا کچھ قصور نہیں۔ ذوق شرطِ مقبولیت نہیں، ہاں نعمت ضرور ہے کیونکہ اس سے عمل میں سہولت ہو جاتی ہے اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے

حُسن ظاہری نعمت تو ہے مگر شرطِ قبول نہیں، گنجے بدصورت کو بھی قربِ حق ہو سکتا ہے، اسی طرح ذوق و مناسبت ایک حُسنِ باطنی ہے۔ اگر کسی کو حاصل ہو جائے تو نعمت ہے لیکن اگر کسی کو حاصل نہ ہو تو کوئی نقص نہیں کیونکہ قرب و رضائے حق کا مدار محبت عقلیہ ہی ہے یعنی اطاعتِ احکام پر، ذوق پر اس کا مدار نہیں۔

اگر کسی شخص کو ذوقِ باطن بالکل نہ ہو لیکن احکام کو پوری طرح بجالاتا ہو وہ ناقص نہ ہوگا بلکہ کامل ہوگا۔ اب یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جن میں جوش و خروش نہیں ہوتا اور وہ اس کے نہ ہونے سے مغموم ہوتے ہیں اور غضب یہ کہ مشائخ غیر محقق بھی ایسے لوگوں سے کہہ دیتے ہیں کہ تم کو طریق سے مناسبت نہیں، تمہاری قسمت میں طریقِ باطن نہیں ہے۔ یہ شیخ قابلِ عزل (چھوڑ دینا) ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہر مؤمن کو طریقِ باطن حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ طریقِ باطن ذوق شوق کا نام نہیں ہے بلکہ مداومتِ ذِکر و اطاعت احکام اور ملکاتِ باطنہ مثل توکل و رضا و شکر وغیرہ کا نام ہے اور ان ملکات میں ہر ایک کے دو درجے ہیں۔ ایک طبعی، ایک عقلی اور درجہ عقلی اختیاری کسبی ہے، یہ ہر ایک کو حاصل ہو سکتا ہے۔

محبت کو جانچنے کی ایک عمدہ مثال:

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نے اپنی مشہور و معروف کتاب ''رُوح کی بیماریاں اور ان کا علاج'' میں محبت عقلی و طبعی کو سمجھانے کے لئے ایک حکایت تحریر فرمائی ہے، فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ نے دوسرے بزرگ سے کہا کہ ہمارے دِل میں اپنے والد صاحب کی محبت حضور ﷺ کی محبت سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے ایمان کا کیا حال ہوگا؟ وہ بزرگ محقق تھے خاموش ہوگئے۔

بعد مدت ایک دِن فرمایا کہ آج آپ کے یہاں حضور ﷺ کی محاسنِ سیرت کا ذِکر شریف کریں گے۔ خوب فصاحت و محبت سے حالات اور اوصافِ سیّد الانبیاء ﷺ بیان کرتے کرتے اچانک رُک کر فرمایا کہ مگر آپ کے والد صاحب میں بھی حسب ذیل خوبیاں ہیں۔ یہ سُنتے ہی وہ بزرگ ناراض اور غصّہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ کیا جوڑ ہے؟ کہاں ذِکر حبیب خُدا ﷺ اور کہاں آپ نے ہمارے ابّا کا نام اس وقت بے موقع لے لیا۔ مولانا ابّا کا ذِکر چھوڑیئے، جو بیان فرما رہے ہیں اسی کو بیان فرمائیے۔ بس اُن محقق بزرگ عالم نے فرمایا کہ اب تو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ محبت آپ کے دِل میں کس کی زیادہ ہے، آپ کا شبہ اور خلجان دُور ہوا یا نہیں؟ خوب ہنسے اور فرمایا ؎

جزاك اللّٰه که چشم باز کردی

مرابا جان جاں ہمراز کردی

فرمایا کہ ہاں بھئی ہم غلطی پر تھے۔ محبت طبعی کے سبب ہم کو یہ شبہ تھا۔ اب معلوم ہوا کہ محبت عقلی اور محبت ایمانی اصل چیز ہے اور اس کا پتہ تقابل سے ہوتا ہے۔

(انتخاب از اللہ بندوں سے کتنی محبت کرتے ھیں؟)

——————★★★★★——————

علامہ اقبال اور پروفیسر مفسّر:

ایک کالج کے پروفیسر کو شوق ہوا کہ میں قرآنِ پاک کی تفسیر لکھوں، خوب بکے گی، پیسے اچھے آئیں گے، لکھنی شروع کی۔ اب دِل میں سوچ رہا ہے کہ بکے گی کیسے؟ مجھے تو کوئی جانتا نہیں۔ کوئی بڑے مولوی صاحب لکھیں کہ یہ تفسیر بہت اچھی ہے، پھر تو بکے گی لیکن مولوی صاحب ایک ایک صفحہ میں بیس بیس غلطیاں نکال لیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ مجھے ویسے ہی بُرا بھلا کہنا شروع کردیں، لکھتا رہا، سوچتا رہا۔ آخر ایک دِن دِل میں خیال آیا کہ علامہ اقبال شاعر ہے، دِین کا درد دِل میں رکھتا ہے لیکن مولوی تو نہیں ہے ناں۔ اُسے تفسیر دِکھاؤں گا۔ ویسے ہی دیکھ کر خوش ہوجائے گا کہ تفسیر اچھی ہے۔ علامہ اقبال مشہور آدمی ہے، دوسطریں لکھ دے گا تو میرا کام بن جائے گا۔ یہ آدمی تفسیر کا ایک حصہ لے کر علامہ اقبال کے پاس چلا گیا کہ جی میں نے تفسیر لکھنا شروع کی ہے۔ جو عقلی شبہات کالجی لڑکوں میں پھیلائے جاتے ہیں، ان کو سامنے رکھ کر تفسیر لکھی جائے تاکہ ان فتنوں کا انسداد ہوجائے۔ بہت اچھا کام ہے۔ کہنے لگا میں ساتھ بھی لایا ہوں۔ آپ اس پر کچھ لکھ دیں.... کہا اچھا رکھ دو۔ میں پڑھوں گا پھر بعد میں آنا۔ اب کوئی دوماہ بعد پروفیسر صاحب آئے۔ پروفیسر صاحب کا خیال تھا کہ ڈاکٹر صاحب خود ہی تفسیر کا ذِکر چھیڑیں گے۔ اُنھوں نے کوئی بات نہیں کی۔ پروفیسر نے اُٹھتے وقت کہا کہ میں آپ کو تفسیر دے کر گیا تھا۔ فرمایا! آپ کی تفسیر میں نے پڑھی۔ آپ کی تفسیر سے میری ایک بہت بڑی غلط فہمی دُور ہوگئی۔ کہ میں آج تک اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ تاریخِ اسلام میں سب سے زیادہ مظلوم ہستی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے کہ پردیس میں چھوٹے چھوٹے بچے ذبح کردیئے گئے۔ لیکن آپ کی تفسیر پڑھ کر میری غلط فہمی دُور ہوگئی کہ نہیں حضرت حسینؓ سے بھی زیادہ مظلوم خدا کا قرآن ہے کہ جو بھی اُٹھتا ہے اس کی تفسیر لکھنا شروع کردیتا ہے۔ علامہ اقبال کے حکیمانہ جواب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن کی تفسیر کرنا کوئی بازیچۂ اطفال نہیں کہ ہر کس وناکس خود کو اس عظیم کام کا اہل سمجھے۔ (از خطباتِ امین)

﴿ہماری سب سے بڑی ضرورت﴾

(مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْ خِلْنِیْ مُدْ خَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ (الاسرا: ۷۱)

ترجمہ: ''اور آپ یوں دُعاء کیجئے کہ اے ربّ! مجھ کوخوبی کے ساتھ پہنچائیو اور مجھ کو ساتھ لے جائیو۔''

ہر کام کے لئے شریعت کی دلیل چاہیے، خُدا تعالیٰ کیا چاہتا ہے، اِس وقت کا فرمان کیا ہے، اس وقت کا حکم کیا ہے؟ اس وقت خُدا کا حکم ہے کہ ہم جُھک جائیں، اس وقت خُدا کا حکم ہے کہ ہم رُک جائیں۔ حالی نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے ؎

بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی
شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی
جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

اصل چیز امرِ الٰہی ہے، اور امرِ الٰہی کیا ہے؟ اس کو تلاش کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیسی زندگی چاہتا ہے، اس وقت اسلام کی مصلحت کا تقاضا کیا ہے؟ معیار اور کسوٹی یہ کہ ہمیں کیا ملے گا؟ آج کل ساری جدوجہد سیاسی جدوجہد سے لے کر معاشی جدوجہد تک اسی مرکز کے گرد گھوم رہی ہے کہ ہمیں اس سے کیا ملے گا؟

اسلامی سیرت کی کمی ہے:

آج تمام دُنیا میں مسلمان ہیں، کون سا ملک ہے جہاں آپ کے ملک کے لوگ موجود نہیں؟ لیکن کس کے لئے ہیں؟ بس یہی مسئلہ ہے، دعوت پھیلانے کے لئے نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ انسانیت پر رحم کھا کر انگلستان، کینیڈا، امریکہ خود عرب ملکوں کی موجودہ خطرناک حالت دیکھ کر، وہ بے چین ہو کر اپنے گھروں سے نکلے ہوں۔ یہ (اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ) نہیں ہے اور وہاں جو گئے تو یہ (اَدْ خِلْنِیْ مُدْ خَلَ صِدْقٍ) نہیں ہے۔ معاشی مصلحت کے مفاد نے ان کو نکالا، معاشی مفاد نے ان کو وہاں داخل کیا۔ معاشی و ذاتی و خاندانی مفاد نے ان کو وہاں رکھا، جب اس کا تقاضا ہوگا کہ مکہ کی بجائے نیویارک چلے جائیں تو وہ چلے جائیں گے۔ آپ جب چاہیں امتحان لے کر دیکھ لیجئے اور جب اس کا تقاضا ہوگا کہ مکہ چلے آئیں تو وہاں چلے آئیں گے، اس لئے

نہیں کہ وہاں حَرم ہے بلکہ اس لئے کہ معاشی مسئلہ کا تعلق وہاں سے ہے۔ یہ نہ (مُدْخَلَ صِدْقٍ) پر عمل کررہے ہیں اور نہ (مُخْرَجَ صِدْقٍ) پر چل رہے ہیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے اپنے نبی کو تعلیم دی جارہی ہے اور آپ ﷺ کے طفیل اُمت کو تعلیم دی جارہی ہے کہ ہم دُعاء کریں (وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْق) ، ہمارا جینا مرنا، ہمارا کسی سے خوش ہونا، کسی سے ناراض ہونا، ہمارا ٹوٹنا اور جڑنا، ہمارا بگڑنا اور بننا..... یہ سب خُدا کے حکم اور امرِ الٰہی کے تابع ہو، پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کیا عطاء کرتا ہے؟ شکوہ اس سیرت کے بدل جانے کا ہے، اس ذہن کے بدل جانے کا ہے کہ شریعت ہماری امام نہ رہی، شریعت ہمارا فیصلہ کرنے والی نہ رہی، جو ہمارے مسائل میں ایک حُکم کی حیثیت رکھے۔ ہم نے شریعت کو حاکم نہیں بنایا، ہم نے اپنی خواہشات کو اپنے مفادات کا حَکم (فیصلہ کرنے والا) بنایا۔ بس اس وقت اصل انقلاب جو مسلمانوں کے لئے ضروری ہے، وہ ہے سیرت کا اختیار کرنا کہ ہماری زندگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی منشاء کے مطابق بن جائے۔ وہ ہم سے جو کرائے وہ ہم کریں اور وہ جو چُھڑائے وہ ہم چھوڑ دیں۔

اس وقت جس چیز کی کمی ہے اور جو چیز فیصلہ کُن اور انقلاب انگیز ہے، وہ ہے اسلامی سیرت کا اختیار کرنا اور اگر ایسا اجتماعی طور پر ہو تو کیا کہنے ہیں، اجتماعی طور پر بھی الحمد اللہ کوششیں ہورہی ہیں۔ انفرادی طور پر کوشش کر کے دیکھئے۔

ہر ایک شخص یہ طے کرے کہ شریعت کو مقدم رکھنا ہے، حُکمِ الٰہی اور حُکمِ شرعی پوچھنا ہے، کوئی بھی کام ہو سیاسی انتخاب والیکشن سے لے کر شادی بیاہ، ختنہ، عقیقہ، مکان کی تعمیر، جائیداد کی تقسیم اور کھانے پینے تک یہ دیکھنا ہے کہ شریعت کی اجازت ہے کہ نہیں، اور شریعت کا حُکم کیا ہے؟ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی سیرت بدلیں، اس کے بغیر کام نہیں چلتا اور جب اللہ اپنے محبوب رسول ﷺ سے یہ کہے اور اس کو یہ تلقین کرے اور یہ وظیفہ بتائے کہ تم یہ دُعاء کرو کہ (رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ) تو تم ہم کس شمار قطار میں ہیں۔ (**محاسن اسلام**، **اشاعت**: **جنوری** 2004ء)

———★★★★★———

ارشادِ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ: فرمایا: لغزشیں ہونا فطرتِ انسانی ہے، اگر لغزشیں نہ ہوں تو ترقی نہ ہو۔ مگر ان لغزشوں سے بچنے کے لئے اور متنبہ ہونے کے لئے تمام بڑے بڑے علماء اور صوفیاء نے اللہ والوں سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور اپنی طرف کسی کمال کو منسوب کرنا چھوڑ دیا۔

﴿بعض لوگ حج کے بعد بد عمل کیوں ہو جاتے ہیں؟﴾

(حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

بات یہ ہے کہ حجرِ اَسود کسوٹی ہے، اس کو چھونے کے بعد انسان کا اصلی رنگ ظاہر ہو جاتا ہے۔ جو حالت پہلے سے مخفی تھی، وہ اب کھل جاتی ہے۔ اگر طبیعت میں نیکی تھی تو پہلے سے زیادہ نیک ہو جاتا ہے، اور اگر بدی تھی تو وہ بدی اب نکل جاتی ہے۔ بہت سے لوگ ظاہر میں نیک معلوم ہوتے ہیں مگر کسوٹی پر ہاتھ لگانے سے کھرا کھوٹا معلوم ہو جاتا ہے۔

نقد صوفی نہ ہمہ صافی بے غش باشد

اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

خوش بود گر محک تجربہ آید بہ میاں

تا سیہ روئی شود ہر کہ درو غش باشد

شاید تم کہو کہ اچھا ہوا تم نے یہ بات ظاہر کر دی، اب تو ہم حج ہی کو نہ جائیں گے۔ نہیں صاحب! حج کو جاؤ، مگر اکسیر بن کر جاؤ اور لو میں تم کو اکسیر بننے کا طریقہ بھی بتلاتا ہوں، وہ یہ ہے کہ کسی کیمیا گر سے تعلق پیدا کر لو۔

کیمیائیست عجیب بندگی پیر مغاں

خاک او گشتم و چندیں در جاتم دادند

کیمیا گر سے میری مُراد یہ لنگوٹی باندھنے والے نہیں ہیں بلکہ باطن کے کیمیا گر مُراد ہیں، جن کو اہلُ اللہ کہتے ہیں۔ ان کی شان یہ ہوتی ہے:

آھن کہ بپارس آشنا شد

فی الحال بصورت طلا باشد

پارس ایک پتھر ہوتا ہے، اس کی خاصیت یہ ہے کہ جہاں لوہے کو اس سے مَس کیا فوراً سونا بن جاتا ہے۔ اہلُ اللہ کی تو یہ خاصیت مشاہد ہے۔ پارس میں یہ بات ہو یا نہ ہو، اہلُ اللہ کی صحبت سے تو یہ نصوح حاصل ہو جاتی ہے، جس سے پہلی گندگیاں دُھل جاتی ہیں۔ پس تم کو چاہیے کہ کسی اللہ والے سے تعلق پیدا کر کے حج کو جاؤ۔ اس کی صحبت سے تم کو توبہ خالص عطاء ہو گی۔ توبہ کر کے جاؤ گے تو پھر حج کا یہ اثر ہو گا کہ پہلے سے زیادہ تم

کو اعمال صالحہ کی توفیق ہوگی۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ مُرید ہو کر جاؤ، اس کی ضرورت نہیں، صرف تعلق محبت اور چندروزہ صحبت کی ضرورت ہے۔ (اشرف الجواب)

——————★★★★★——————

کمال کے لئے دو چیزوں کی ضرورت:

محی السُنۃ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ عالم کا بیٹا عالم اور حافظ کا بیٹا حافظ کیوں نہیں ہوتا، اس کا کیا سبب ہے؟ اس پر ارشاد فرمایا کہ

ہر عِلم کے حاصل کرنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے بدون اسکے عِلم حاصل نہیں ہوتا۔ پہلا مجاہدہ، دوسرے اِتباع۔ مثال کے طور پر ایک لڑکا عِلم سیکھنا چاہے تو اُسے چاہیے کہ اسکول جائے، محنت کرے کتابیں پڑھے، پیسہ خرچ کرے.... یہ سب چیزیں مجاہدے میں داخل ہیں۔ صرف اتنا ہی کرنے سے عِلم حاصل نہیں ہوتا اسکے ساتھ ساتھ اُستاد کی اِتباع بھی ضروری ہے یعنی اُستاد کے بتائے ہوئے طریقے پر عِلم سیکھے۔ تب ہی جا کر ماہر ہوسکتا ہے، ورنہ بغیر اس کے ماہر ہونا ممکن نہیں۔ اگر کوئی ڈرائیور ہونا چاہتا ہے تو محنت کے ساتھ ایک مدت تک اُستاد کے ساتھ چلانے کی مشق کرتا رہے، جب ہی تو ڈرائیور بنتا ہے۔ اگر مجاہدہ اور اِتباع میں کمی کرے گا تو محروم ہی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ ہزاروں کو مُرید کرتا ہے لیکن تھوڑے حضرات کو خلافت دیتا ہے، سبب یہی ہے کہ ان میں انہی دو چیزوں میں سے کسی چیز کی کمی ہوتی ہے۔ کوئی مجاہدہ خوب کرتا ہے لیکن شیخ کی اِتباع نہیں کررہا ہے، کوئی شیخ کے ساتھ ساتھ رہتا ہے لیکن مجاہدہ نہیں کرتا ہے۔ آج کل یہی وجہ ہے کہ حافظ کا بیٹا حافظ نہیں ہو پاتا۔ دوسرے حضرات خلافت حاصل کرلیتے ہیں لیکن شیخ کا بیٹا محروم رہتا ہے۔ اس لئے کہ سُلوک میں دو چیزیں نہایت ضروری ہیں بدون اسکے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ مجاہدہ، اِتباع.... اگر دونوں چیزیں ہوں تو شیخ کا بیٹا بھی خلیفہ ہوسکتا ہے، اس کی بہت سی مثالیں اس زمانے میں بھی ملتی ہیں۔

(از ملفوظاتِ شاہ ابرار الحقؒ)

——————★★★★★——————

جنت میں حقہ

ایک صاحب نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے دریافت کیا کہ کیا جنت میں حقہ ملے گا؟ مزاحاً فرمایا کہ ہاں.........مگر آگ لینے کے لئے جہنم میں جانا پڑے گا۔ (اشرف اللطائف)

﴿ذهنی اور جسمانی بیماریاں اور اُن کا شرعی حل﴾

(ڈاکٹر فہیم صاحب)

تیسرا واقعہ:

ایک گاؤں سے ایک شخص اپنی بیٹی کو لے کر ہمارے ہسپتال آیا۔ اپنی باری پر مریضہ کو میرے پاس سٹول پر بٹھا دیا۔ میں نے اُس کی بیٹی (مریضہ) سے ہسپتال آنے کا سبب دریافت کیا۔ بجائے مریضہ کے بولنے کے اُس کے والد صاحب اُس کی تکالیف یوں بتانے لگے۔

''اس کے سَر میں درد ہوتا ہے، رات کو اچانک رونا شروع کر دیتی ہے، وجہ پوچھنے پر پیٹ کا درد بتاتی ہے۔ کبھی کبھی چیخنا شروع کر دیتی ہے۔ کھانا نہیں کھاتی، بات بات پر جھگڑا کرتی ہے۔ چہرے کا رنگ زرد ہو گیا ہے، ہلکا ہلکا بخار رہتا ہے۔ یہ بیماری ایک سال سے شروع ہے، ختم ہونے کا نام نہیں لیتی ہے۔ بہت سے ڈاکٹروں کو دِکھایا ہے، ماہرِ امراض بھی معائنہ کر چکے ہے۔ یہ آخری نسخہ اسی ڈاکٹر کا ہے، لیکن کچھ افاقہ نہیں آیا۔ ہم اس بیماری سے تنگ آ چکے ہیں۔ اللہ کے واسطے اس کا صحیح علاج کریں۔''

میں نے دِل میں سوچا اس بندے نے بہت بڑا واسطہ دیا ہے۔ کوئی کسی کی سفارش لے کر ہمارے پاس آئے یا دُنیاوی لحاظ سے بڑا آدمی آئے تو ہم ڈاکٹر کیسے اچھے طریقے سے اس کو دیکھتے ہیں اور معائنہ کر کے اپنے پاس کی ادویات کے نمونے بھی دے دیتے ہیں۔ اپنے ڈاکٹری اُصول کے مطابق میں نے مریضہ کا معائنہ شروع کیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ اللہ کے فضل سے یہ لڑکی کسی جسمانی بیماری میں مبتلا نہیں ہے۔ اب اس بیماری کی باقی معلومات کے لئے میں نے مریضہ کے والد سے کہا کہ اگر اجازت دیں تو اس سے ایک لیڈی ڈاکٹر کے ذریعے میں کچھ باتیں پوچھوں تا کہ اس کی بیماری کی تشخیص ہو جائے۔ ہمارے وارڈ میں ایک لیڈی ڈاکٹر کام کرتی تھی۔ میں نے اُس سے بذریعہ ٹیلی فون پوچھا کہ اگر فارغ ہیں تو ایک کیس آپ کے پاس بھجواتا ہوں۔ اُس سے کافی تفصیل میں اس کے گھریلو معاملات پر بحث کریں اور اُس کی ذاتی زندگی کے متعلق بھی بعض باتیں پوچھیں۔ ان دونوں کو اس کے پاس بھجوا کر میں باقی مریض دیکھنے میں مشغول ہو گیا۔ آدھ گھنٹہ بعد لیڈی ڈاکٹر نے ساری باتیں مجھے بتائیں..... جو یہ تھیں۔ (میں نے اپنے طور پر مریضہ کے والد صاحب سے کچھ باتیں پوچھی تھیں)

''مریضہ کے گھر میں ٹیلی ویژن نہیں تھا، وہ روزانہ رات کو ڈرامہ دیکھنے اپنے چچا کے گھر میں جو

پڑوس میں تھا جاتی تھی۔اسکی چچی کواس کا روزانہ آنا ناگوار گزرتا تھااور کبھی کبھی اس کو طعنہ بھی دیتی تھی، جس کی وجہ سے اس کو کافی کوفت ہوتی تھی۔اپنے والد صاحب سے کافی دفعہ کہہ چکی تھی کہ ہمارے گھر میں بھی یہ نحوست (ٹی وی) ہونی چاہیے۔پیسوں کی کمی اور کچھ دِینی رُجحان کی وجہ سے وہ گھر میں یہ نحوست نہیں لانا چاہتا تھا۔مریضہ تہیّہ بھی کرتی تھی کہ وہ اپنے چچا کے گھر نہ جائے ،لیکن ڈرامے کا دیکھنا اس کو مجبور کردیتا تھا۔اس کا ایک چچا کا بیٹا تھا جو دِینی مدرسہ میں پڑھتا تھا۔ایک سال پہلے مریضہ کے والد نے اس کی شادی کا تذکرہ مریضہ کی والدہ سے کیا کہ اس کی شادی اسی چچا کے بیٹے سے کریں گے۔

مریضہ کے گھر کے پاس تھوڑے فاصلے پر ایک اور گھر تھا۔مریضہ اور اُس کی والدہ اس گھر میں کبھی کبھار جایا کرتی تھیں۔اُن کے ساتھ ان کے اچھے تعلقات تھے۔مریضہ کا کافی عرصہ سے اس گھر کے ایک لڑکے کے ساتھ دِل کا تعلق تھا۔دونوں کے مابین گفت وشنید ہوتی رہتی تھی اور دونوں کا شادی کا رُجحان بھی تھا۔والد نے مریضہ کو کوہاٹ میں ایک مدرسہ میں داخل کرادیا۔اب مریضہ کا گھر میں جانا ایک یا دو ماہ بعد ہوتا تھا اور پڑوس کے لڑکے سے ملاقات کافی عرصہ بعد ہوتی تھی۔

ایک دفعہ یہ اپنے گھر گئی تو پتہ چلا کہ پڑوس کا لڑکا اسے ملے بغیر باہر ملک نوکری کے لئے چلا گیا ہے۔جس کی وجہ سے اس کو کافی دُکھ ہوا۔اس دوران اس کی شادی کا تذکرہ اس کی والدہ نے اس سے کیا کہ جلد اس کی چچا کے گھر روانگی ہے۔اس بات کو اس مریضہ نے کافی محسوس کیا۔چچا کے حالات، چچی سے نفرت، پڑوس کے لڑکے سے تعلق کی بناء پر مریضہ نے اپنے آپ کو بیمار کردیا۔کبھی رونا، کبھی چیخنا اس کا احتجاج تھا،اس کو بھوک کا نہ لگنا اور رنگ کا زرد ہونا مستقبل کے حالات کی وجہ سے تھا۔‘‘

آخر میں اُس نے یہ باتیں کرنے کے بعد کہا کہ وہ والدہ صاحبہ کو لے کر آئے گی۔جس کے سامنے یہ تمام باتیں رکھنا اور کہنا کہ یہ رشتہ نہ کریں اور میری مطلوبہ جگہ پر رشتہ کردیں تو میں خود بخود ٹھیک ہو جاؤں گی۔میں کسی صورت میں اپنی چچی کو ساس نہیں دیکھنا چاہتی۔

میں نے مریضہ کے والدین کو بعد میں ساری صورتحال سے آگاہ کردیا۔فیصلہ اُنکے ہاتھ میں دے دیا اور کہا کہ یہ ساری بیماری خودساختہ ہے جو مریضہ نے اس نحوست (ٹی وی) سے سیکھی ہے، جو کہ یہ رات کو ڈرامے کی شکل میں دیکھا کرتی تھی۔اُس کے والد کو سمجھایا کہ اپنی بیٹی سے اس بات پر سختی سے پیش نہ آئیں اور اس نازک مسئلے کو شرعی اُصول کے مطابق احسن طریقے سے حل کریں۔

جب اُن کو رُخصت کر چکا تو میری سوچ اس پیچیدہ مسئلے کو سُلجھانے کی کوشش کرنی لگی۔ ذہن میں کچھ سوالات کچھ جوابات کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے۔

1) کیسے ایک نحوست جو اپنے گھر میں بھی نہیں تھی، ایک لڑکی کو بے راہ روی کا شکار کر گئی۔

2) پڑھائی بھی گئی، مدرسہ بھی گیا۔ پورا ایک سال ڈاکٹروں کے آگے والدین کو ذلیل ہونا پڑا۔ پیسہ بھی ضائع ہوا، عزت بھی کم ہوئی۔

3) کتنا نازک مسئلہ ہے کہ ایک جوان لڑکی جو بار بار ڈاکٹر کے پاس جاتی ہے۔ معاشرے میں یہ مشہور ہو جاتا ہے کہ فلاں کی لڑکی پاگل ہے یا بیمار ہے۔ اچھے رشتے جو آنے ہوتے ہیں وہ بھی نہیں آتے۔

بہر حال جو ہونا تھا اُس کے ساتھ ہو گیا لیکن اس مسئلے کا مرکز کہاں تھا؟ غلطی اُس کے والد کی تھی؟ اُس کی والدہ کی؟ یا اُس کی اپنی؟ شریعت کی پامالی کس نکتے پر زیادہ ہوئی؟ اِس مریضہ کا شادی کا حل کیا ہونا چاہیئے۔

جواب: 〈از ڈاکٹر محمد فدا مد ظلہٗ〉

شریعت کی پامالی پردہ کے احکامات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہوئی، دوسرے گھر جہاں غیر محرم موجود تھے وہاں بار بار جانا آنا نوجوان لڑکے لڑکیوں کو بے راہ روی پر ڈال دیتا ہے۔ فضول مشاغل کے مقابلے میں نوجوان نسل کو مثبت اور مفید مشاغل مہیا کرنے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر فہیم صاحب نے ایک واقعہ سُنایا تھا کہ ایک بیوہ عورت کمر کے دَرد کے علاج کے لئے آئی، اُسے مشورہ دیا گیا کہ وہ تین دِن مکمل چارپائی پر لیٹ کر آرام کرے۔ اُس نے کہا کہ وہ سلائی اور کشیدہ کاری کر کے اپنا اور اپنی بچیوں کا پیٹ پالتی ہے۔ بیٹا کوئی نہیں ہے، اگر تین دِن آرام کرے تو کھائے کیا؟ بچیوں کا پوچھا گیا تو پتہ چلا کہ وہ تو ٹیلی ویژن کے ڈراموں سے دِل لبھاتی ہیں جبکہ والدہ صاحبہ کمر توڑ محنت کر کے گھر کی گاڑی کو کھینچتی ہیں۔ اُن کو یہ مشورہ دیا گیا کہ بچیوں کو ذمہ وار بنا کر یہ بوجھ اُن پر ڈال دیں۔ دِینی مجالس میں شرکت، دلچسپ دِینی کتب کا مطالعہ، ذہن سازی کا کام کرتا ہے۔

———★★★★★———

اللہ تعالیٰ کی زیارت کا طریقہ: ''جس کو یہ شوق ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کروں، تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ قرآن کریم پڑھتے ہوئے، اس کے ہر ہر حرف پر اللہ کا دھیان جمائے اور جما کر اُس کو دِل میں راسخ کر لے، تو دُنیا میں بھی جلوے نمایاں ہوں گے اور آخرت میں بھی دیدار ہو جائے گا۔'' (از خطبات حکیم الاسلام)

﴿حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ المعروف "سِول کوارٹرز بابا جی"﴾

(پروفیسر انجنیئر ارشاد صاحب)

حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ المعروف ''سول کوارٹرز باباجی'' سوات کے علاقے چغرزئی میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم امینیہ دہلی سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اور آپؒ کے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ صاحب اور حضرت مفتی کفایت اللہؒ صاحب شامل ہیں۔ حضرت مولانا عبدالغفور مہاجر مدنیؒ صاحب سے شرفِ بیعت حاصل کیا اور اُن کے خلیفۂ مجاز بھی بنے۔ واپس آکر دارالعلوم سرحد میں درس وتدریس کا آغاز کیا اور شیخ القرآن اور شیخ الحدیث کے القابات سے نوازے گئے۔ آپؒ سلسلہ نقشبندیہ کے کامل شیخ تھے، اور صاحبِ سلسلہ تھے۔ آپ نے بیسویں صدی کی آخری دَہائی میں تقریباً ۸۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپؒ انگریزوں اور انگریزی تعلیم کے سخت مخالف تھے۔ دینی تعلیم سے فراغت کے بعد سخت مالی مشکلات کا سامنا ہوا۔ انہی دنوں میں انگریزی حکومت کی طرف سے سرکاری ملازمت کی پیشکش ہوئی، ایک طرف آپؒ اور گھر والے سخت مالی مشکلات سے دوچار اور دوسری طرف انگریزی حکومت کی نوکری، بہت بڑی کشمکش اور ابتلاء میں مبتلا تھے۔ کئی دنوں سے سوچ بچار کررہے تھے، آخر کار ایک رات بچوں کی سختی نہ دیکھی گئی اور سرکاری نوکری کرنے کا اِرادہ فرمایا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ بزرگوں کا حلقہ ہے اور آپؒ بھی ان میں موجود ہیں، مفتی کفایت اللہؒ صاحب امیر کی حیثیت سے بیٹھے ہیں۔ اتنے میں ایک عورت مسجد کے دروازے میں کھڑی ہوتی ہیں، اور سر پر اسکے پاخانے کی ٹوکری ہے، اور کہنے لگی کہ آپ میں سے کسی ایک نے اس کی طلب کی ہے۔ مفتی کفایت اللہؒ صاحب نے اس عورت سے فرمایا کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کو طلب نہیں کرسکتا۔ آپ دِل ہی دِل میں سخت خوفزدہ ہوتے ہیں۔ اسی اثناء میں آپؒ کی آنکھ کھلتی ہے اور پسینے سے سارا بدن تر ہے، اُسی وقت آپ نے اِرادہ فرمایا کہ چاہے کچھ بھی ہو انگریزوں کی نوکری نہیں کریں گے۔ ۱۹۹۱ء میں مجھے ان سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا، میں اس حال میں ان سے ملا کہ میرا چہرہ انگریزی، سر کے بالوں کا طرز انگریزی اور ہاتھ میں انگریزی کی موٹی کتاب تھی، جو کہ میں لائبریری کو واپس کرنے جارہا تھا۔ ان کے کمرے کے دروازے پر ملاقات کا وقت لکھا ہوا تھا اور میں صحیح وقت پر آیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوا تو ایک بزرگ چارپائی پر بیٹھے ہیں، اور دوسرے بزرگ زمین پر۔ میں سمجھا کہ چارپائی پر بیٹھے ہوئے بزرگ باباجیؒ ہیں۔ مجھے دیکھ کر ان کی طبیعت پر جو گرانی آئی ہوگی وہ ظاہر ہے۔ سلام کرنے کے بعد بیٹھ گیا اور کچھ دیر بعد ایک اختلافی مسئلے کے

متعلق سوال کیا۔اس سوال کا جواب مجھے اس انداز سے ملا کہ انہوں نے میری گردن ایک ہاتھ سے نیچے کی اور دوسرے ہاتھ سے میری پٹائی شروع کردی۔عین اسی وقت مجھے خیال آیا کہ چاہے کچھ بھی ہو میں اپنے چہرے پر کسی قسم کی ناگواری کا تاثر نہیں دونگا، بلکہ رضامندی کا اظہار کرونگا۔میں نے ایسا ہی کیا،اس پر باباجیؒ صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا''جا بیٹا تو خراب نہیں ہوگا۔''آپؒ کی برکت تھی کہ آج مجھے حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم کی مجلس میں بیٹھنے اوران کی تعلیمات سے استفادہ کرنے کی توفیق ملی۔

——————★★★★★——————

ایک گریجویٹ اور فھم حدیث:

شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی مدظلہٗ اپنے ایک گریجویٹ دوست کا ذِکر کرتے ہیں جو کہ مطالعہ کا بہت شوقین تھا۔اور اُنہیں بطورِخاص احادیث کے مطالعہ کا شوق تھا اور ساتھ ہی یہ بات بھی ان کے دماغ میں سمائی ہوئی تھی کہ اگرچہ میں حنفی ہوں لیکن اگر حنفی مسلک کی کوئی بات مجھے حدیث کے خلاف معلوم ہوئی تو میں اُسے ترک کردوں گا۔چنانچہ ایک روز انہوں نے میری موجودگی میں ایک صاحب کو یہ مسئلہ بتایا کہ ''رِیح خارج ہونے سے اُس وقت تک وضو نہیں ٹوٹتا جب تک کہ رِیح کی بدبُو محسوس نہ ہو یا آواز نہ سُنائی دے'' میں سمجھ گیا کہ وہ بیچارے اس غلط فہمی میں کہاں سے مبتلا ہوئے ہیں۔میں نے ہر چند اُنہیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن شروع میں اُنہوں نے اس بات پر اصرار رہا کہ یہ بات میں نے ترمذی کی ایک حدیث میں دیکھی ہے،اس لئے میں تمہارے کہنے کی بناء پر حدیث کو نہیں چھوڑ سکتا۔

آخر جب میں نے تفصیل کے ساتھ حدیث کا مطلب سمجھایا اور حقیقت واضح کی،تب اُنہوں نے بتایا کہ میں تو عرصہ دراز سے اس پر عمل کرتا آرہا ہوں اور نہ جانے کتنی نمازیں میں نے اسی طرح پڑھی ہیں کہ آواز اور بُو نہ ہونے کی وجہ سے میں سمجھتا رہا کہ میرا وضو نہیں ٹوٹا۔

دراصل وہ اس سنگین غلط فہمی میں اس لئے مبتلا ہوئے کہ اُنہوں نے حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہی سمجھا کہ وضو ٹوٹنے کا مدار آواز یا بُو پر ہے۔حالانکہ تمام فقہاءِ اُمت اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اُن وہمی قسم کے لوگوں کے لئے ہے جنہیں خواہ مخواہ وضو ٹوٹنے کا شک ہوجاتا ہے۔اور مقصد یہ ہے کہ جب تک خروجِ رِیح کا ایسا یقین حاصل نہ ہوجائے جیسا کہ آواز سُننے یا بُو محسوس ہونے سے حاصل ہوتا ہے اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹتا۔جیسا کہ دوسری احادیث میں اس کی وضاحت ہے۔ (محاسن اسلام)

﴾توھینِ رسالت﴿

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

پشاور یونیورسٹی کیمپس کے احتجاجی جلوس میں ان خیالات کا اظہار کرنا تھا، وقت نہ ملنے کی وجہ سے تحریری شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔

اہلِ مغرب کو یہ مسئلہ درپیش ہے، کہ آج کے دور میں ان کی نئی نسل اسلام کی طرف مائل ہورہی ہے۔اس جذبہ میں افغانستان اور عراق پر امریکی حملے کے بعد اضافہ ہوا ہے۔ ماہرینِ نفسیات ہونے کی وجہ سے انہیں اس کا تجربہ ہے کہ بچپن میں اگر کسی شخصیت کی ہتک اور توہین ذہن میں بٹھادی جائے تو تاحیات مفید رہتی ہے۔اس سوچ کے تحت ڈنمارک کی حکومت نے اپنے سکولوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں توہین آمیز کارٹون شائع کرنے پڑے۔ جس کے خلاف ڈنمارک کے مسلمانوں میں فوری ردِعمل ہوا۔ یہ ردِ عمل جنگل کی آگ کی طرح پھیل کر سعودی عرب سے ہوتا ہوا پاکستان تک پہنچ گیا،اور جو کچھ ہوا سب کے سامنے ہے۔ یہ اہلِ مغرب کا پُرانا حربہ ہے۔ اسے انہوں نے سپین میں استعمال کیا۔ جب سپین میں مسمانوں کی حکومت مستحکم ہوگئی اور اس سے پہلے جو عیسائیوں کی ظالم اور استحصالی حکومت تھی جس نے عوام کا جینا مشکل کیا ہوا تھا، ختم ہوگئی۔ تو وہاں کے پادریوں نے توہینِ رسالت کے ذریعے فسادات کروائے، جس میں کچھ آدمی مارے گئے۔ ہر سال ان فسادات کی یادگار مناکر ان لوگوں نے تحریک کو زندہ رکھا۔ جب اسلامی حکومت کمزور ہوتی گئی ، اور شریعت کا فہم کم ہوتا گیا، نیز توہینِ رسالت کے قانون کے بارے میں مسلمان نرم پڑ گئے تو پادریوں نے انہی فسادات کو آگے بڑھایا، یہاں تک کہ ملک میں انارکی (لاقانونیت) پیدا کرلی، یہی چیز مسلمانوں کی حکومت کے خاتمے کا ذریعہ بنی۔

ذاتی حیثیت سے آپ ﷺ کو جو بدنی اور ذہنی تکالیف پہنچائی گئیں، اس کا نہ آپ ﷺ نے بدلہ لیا اور نہ بدلہ لینے کی اجازت دی بلکہ خوب فراخ دلی سے معاف کیا۔ اپنی دعوت اور تعلیمات کو آپ ﷺ نے پُرامن اور مثبت انداز میں پیش کیا۔ پورا مکی دور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے تکالیف، مار پیٹ، سوشل بائیکاٹ اور بھوک پیاس برداشت کر کے گذارا، لیکن کسی پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ اپنے پروگرام کو تشدد سے دُور رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے دو دفعہ حبشہ کی ہجرت کروائی۔ پھر مدینہ منورہ کی ہجرت کروائی۔ دونوں جگہ کفار نے پیچھا کیا۔ مدینہ منورہ میں جب آپ ﷺ کے قدم جمے اور دعوتِ الی اللہ کا فروغ شروع ہوا تو کفار نے تین بار بدر، اُحد

اور خندق کے حملے کئے، جو انہوں نے مکہ مکرمہ سے پانچ سو کلومیٹر چل کر مدینہ منورہ کے قریب آ کر کئے۔ جب تین بار انہوں نے حملے کر لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر ان کے فساد کے خاتمے کے لیے مکہ مکرمہ فتح کر لیا۔ آپ ﷺ کی جنگی منصوبہ بندی (Strategy) اور جنگی ترتیب (Tactics) اس قدر لاجواب اور قابل تعریف ہے بلکہ آپ ﷺ کا معجزہ ہے کہ بغیر کشت و خون کے مکہ والوں سے ہتھیار ڈلوا دیئے۔ آپ ﷺ نے اپنے پروگرام کو اتنا خفیہ رکھا کہ رات کا اندھیرا چھانے پر کفار مکہ کو پتہ چلا کہ مکہ کی وادی میں چاروں طرف اتنے آگ کے چولہے جل رہے ہیں کہ ایک لشکر عظیم آ کر پڑاؤ ڈال چکا ہے۔ چنانچہ ان کا حوصلہ (Moral) پست ہوا اور ہتھیار ڈال دیئے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی اس حیثیت کی جو مخالفت کرے گا، تو اُس کا جواب جہاد اور قتال سے دیا جائے گا۔

آپ ﷺ کی ایک حیثیت خدا کے رسول کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بطورِ رسول اگر توہین کی گئی تو اسکی سزا اسلامی قانون میں سزائے موت ہے۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عمل کیا ہے۔ اور پورے چودہ سو سال اس پر ساری اسلامی حکومتوں نے بھی عمل کیا ہے۔

آخری انگریزی دور میں جب ہندوؤں اور انگریزوں نے پھر توہینِ رسالت کے ذریعے مسلمانوں میں افراتفری اور بے چینی پیدا کی اور مسلمانوں کو جذباتی کر کے غیر منظّم کرنے لگے تو گستاخِ رسول راج پال اور غازی علم الدین رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس مقدمہ کی وکالت قائداعظم محمد علی جناح نے کی اور اس سارے واقعہ میں مسلمانوں کی قیادت علامہ اقبال نے کی۔ عام طور پر مشہور ہے کہ قائداعظم نے غازی علم الدینؒ سے بیان بدلنے کا کہا اور کہا کہ یوں بیان دو کہ میں نشہ میں تھا۔ یہ بات دُرست نہیں، قائداعظم ایک حق پرست ماہر قانون دان تھے۔ اُنھوں نے اپنی قانونی زندگی میں کبھی جھوٹ کا سہارا نہیں لیا۔ قائداعظم کا موقف تھا کہ یہ قتل جذبات کی شدت اور اشتعال میں ہوا ہے۔ جس پر قتلِ عمد کا دفعہ ۳۰۲ نہیں لگتا، اور اس کی سزا پھانسی نہیں بلکہ اس کے لئے اشتعال والا دفعہ ۳۰۴ ہے جس کی زیادہ سے زیادہ سزا چودہ سال قید ہے۔ ہندوؤں نے یہ دلائل دیئے تھے کہ غازی علم الدینؒ بازار گیا، چھری خریدی اور اس کے بعد آ کر حملہ کیا، لہٰذا یہ فوری جذبات کے اشتعال کے تحت نہیں ہوا بلکہ قصداً عملاً کیا گیا ہے۔ اس دلیل کو قائداعظم نے مجروح کر دیا کہ ثبوت میں جو چھری رکھی گئی ہے، وہ زنگ آلود اور اس کی نوک آگے سے مڑی ہوئی ہے، جبکہ استغاثہ یہ کہہ رہا ہے کہ نئی چھری خریدی گئی ہے۔ اس طرح یہ دلیل ختم ہو کر پھانسی عمر قید میں بدل رہی تھی، لیکن انگریز عدالت نے ہندوؤں کو

خوش کرنے کے لیے اپنے ہی عدالتی قانون کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے پھانسی کا فیصلہ دیا۔

افسوس کی بات ہے آج مغرب کہہ رہا ہے کہ اس کے ہاں صحافتی آزادی ہے اور رائے کی آزادی ہے، اس پر بندہ کو ایک لطیفہ یاد آیا جو پشاور یونیورسٹی کے مشہور دانشور شعبہ اِلٰہیات کے ڈِین قاضی نورالحق ندوی صاحب کا بیان کردہ ہے۔ جب پاکستان بن گیا تو ایک ٹانگے والے نے ڈِین صاحب سے کہا.... مولانا صاحب سُنا ہے ہم آزاد ہوگئے ہیں، اُنہوں نے جواب دیا ہاں۔ ٹانگے والے نے کہا کہ اب میں ٹانگے پر چار کے بجائے چھ سواریاں بٹھا سکوں گا۔ ڈِین صاحب نے جواب دیا کہ آزادی کا مطلب مادر پدر آزادی نہیں، بلکہ اب تو قانون کی زیادہ پابندی کرنی ہوگی۔ کیونکہ انگریز کے بجائے اب قانون اپنی حکومت کا ہے تو وہ ٹانگے والا آزادی کا منفی مفہوم لے رہا تھا جبکہ اس کا مثبت مفہوم وہ تھا جو کہ ایک دانشور نے اسے بتایا کہ اُسے تو پہلے سے زیادہ پابند ہونا چاہئے۔

مغرب کا فلسفہ غلط ہوا ہے۔ اُس کے دانشور اور حکومتوں کے بڑے بڑے سربراہ منہ بھر کر یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے ہاں خیالات اور صحافت کی آزادی ہے۔ تو ان کی یہ سوچ آزادی کی وہ منفی تشریح ہے جس کا تذکرہ ٹانگے والے کے خیالات کی شکل میں بندہ نے کیا۔ فلسفہ علم ہے، علم خدا تعالیٰ کی صفت، علم غلط نہیں ہوا کرتا لیکن جب انسان کی اخلاقی گراوٹ انتہا کو پہنچ جاتی ہے، تو وہ اعلیٰ علمی اُصولوں کی منفی تشریح کرنے لگتا ہے۔ ایک انسان تلوار گمار ہا ہو اور یوں کہے کہ مجھے اس کھیل کی آزادی ہے، تو اس سے کہا جائے گا کہ تیری تلوار گمانے کی آزادی وہاں ختم ہو جاتی ہے جہاں دوسرے انسان کا بدن اس کی زَد میں آجاتا ہے۔

جب ایک عمل سے ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے جذبات مجروح ہو رہے ہوں، تو تُف ہے اس آزادی پر اور اس اخلاقی گراوٹ پر۔ لیکن جب ایک ڈاکو کے ہاتھ میں اسلحہ ہوتا ہے اور وہ پُر امن شہری کے مقابلے میں مضبوط ہوتا ہے تو وہ اپنے نہ اُصول کو اُصول بتاتا ہے اور پُر امن شہری کے اُصول کو بے اُصولی کہتا ہے۔

اس بات پر احتجاج سارے مسلمانوں کا جمہوری حق ہے، توڑ پھوڑ، فسادات اور انارکی پیدا کرنا حماقت اور بے وقوفی ہے۔ بندہ پشاور یونیورسٹی کے اساتذہ اور انتظامیہ اور خاص طور سے جناب پروفیسر مسرت حسین شاہ صاحب کو مبارک باد دیتا ہے کہ انہوں نے سارے طلباء و طالبات کے جذبات کو اجتماعی جلوس کی شکل میں مجتمع کر کے انہیں اظہار کا موقع دیا۔ اور انہیں مثبت راستے پر ڈال کر ہر قسم کی تخریب کاری اور نقصان سے بھی محفوظ کرلیا۔ بندہ کے پشاور یونیورسٹی کے ۴۲ سالہ قیام میں یہ جلسہ اور جلوس جس میں سب یونیورسٹی کے وائس چانسلر صاحبان شامل ہوئے، ایک مثالی جلوس تھا۔

﴿اھلِ سُنت والجماعت﴾ 〈قسط:۹〉

(حضرت مولانا سیّد سلیمان ندویؒ)

اولیاء کرام:

مسلمان جب خوب عبادت کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکموں پر پوری طرح چلتا ہے، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقہ پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو محبوب رکھتے ہیں، ایسے شخص کو ولی کہتے ہیں۔

کرامت:

ایسے شخص کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ بعض ایسی باتیں ظاہر کرتا ہے، جو اور لوگوں سے نہیں ہوسکتیں، تو ایسی باتوں کو کرامت کہتے ہیں، ولی خواہ کتنا ہی بڑا ہو جائے مگر نبی کے برابر نہیں ہوسکتا، وہ خدا کا کیسا ہی پیارا ہو جائے، مگر جب تک اس کے ہوش وحواس دُرست ہیں شرع کا پابند رہنا فرض ہے، نماز، روزہ اور کوئی فرض عبادت معاف نہیں ہوتی، اور جو گناہ کی باتیں ہیں وہ اس کے لیے دُرست نہیں ہو جاتیں۔ جو شخص شرع کے خلاف ہو وہ خدا کا دوست یا ولی نہیں ہوسکتا۔

کشفِ اولیاء:

اولیائے الٰہی کو بھید کی بعض باتیں سوتے یا جاگتے میں معلوم ہو جاتی ہیں، ان میں جو شرع کے موافق ہو وہ قبول ہے اور اگر خلاف ہے تو رَد ہے۔

بدعت:

اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دِین کی سب ضروری باتیں قرآن وحدیث میں بندوں کو بتا دی ہیں، اب دِین میں کوئی نئی بات نکالنا جو دِین میں نہیں دُرست نہیں، ایسی نئی بات کو بدعت کہتے ہیں، بدعت بہت بڑا گناہ ہے۔

اجتہاد:

دِین کی بعض ایسی باتیں جو صریحاً قرآن وحدیث کے علم میں بعینہ نہیں ہیں، دِین کے بڑے بڑے عالموں نے جن کو قرآن وحدیث کے علم میں کمال تھا اپنے علم وفہم کے زور سے قرآن وحدیث سے نکال کر بیان کی ہیں، وہ بدعت نہیں ہیں۔ ایسے عالموں کو مجتہد کہتے ہیں جن میں سے چار مشہور ہیں، امام ابوحنیفہ، امام شافعی امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ۔

ایمان بالکتاب:

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر مختلف زبانوں میں چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں اُتاریں، جن میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعہ سے اُن کی اُمتوں کو اپنے احکام اور ہدایات سے مطلع فرمایا، ان میں چار کتابیں بہت مشہور ہیں۔ توارت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی، زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام کو ملی، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، اور قرآن مجید ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ یہ قرآن مجید آخری کتاب ہے، اب اس کے بعد کوئی آسمانی کتاب نہیں آئے گی، اس کتاب کی کسی ادنیٰ بات کے بھی انکار کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے، قیامت تک قرآن کا حکم چلتا رہے گا، دوسری آسمانی کتابوں کو گمراہ لوگوں نے بہت کچھ بدل ڈالا، مگر قرآن مجید کی نگہبانی کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے، اسکو کوئی بدل نہیں سکتا۔

صحابی:

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جس مسلمان نے دیکھا اس کو صحابی کہتے ہیں، ان کی علیٰ قدر مراتب بڑی بڑی بزرگیاں آئی ہیں، ان سب سے محبت اور اچھا گمان رکھنا چاہیے، اگر کوئی لڑائی جھگڑا ان کا سننے میں آئے تو اس کو ان کی بھول چوک سمجھے، برائی نہ کرے۔ اُن سب میں بڑھ کر چار صحابی ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی جگہ پر بیٹھے اور دِین کا بندوبست کیا، اس لیے یہ اوّل خلیفہ کہلاتے ہیں، تمام اُمت میں یہ سب سے بہتر ہیں، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسرے خلیفہ ہیں، ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ تیسرے خلیفہ ہیں، ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ چوتھے خلیفہ ہیں۔

اھل بیت:

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور بیبیاں سب تعظیم کے لائق ہیں۔ اولاد میں سب سے بڑا رُتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ہے، اور بیبیوں میں حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں، اسی لیے ان کا احترام کریں، اور اہلِ بیت سے محبت رکھیں۔

کفر کی بعض باتیں:

ایمان جب دُرست ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب باتوں میں سچا سمجھے، اور ان کو دِل سے مانے، اور زبان سے اس کا اقرار کرے اور عمل سے ظاہر کرے، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات میں شک کرنا یا اس کو جھٹلانا یا اس میں عیب نکالنا، یا اس کے ساتھ مذاق اُڑانا ان سب باتوں سے

ایمان جاتا رہتا ہے۔

قرآن وحدیث کے کھلے کھلے مطلب کو نہ ماننا، اور اینچ پیچ کر کے اپنے مطلب بنانے کو معنی گھڑنا بد دِینی کی بات ہے، گناہ کو حلال سمجھنے سے ایمان جاتا رہتا ہے، گناہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو جب تک اس کو بُرا سمجھے اس سے ایمان نہیں جاتا، البتہ کمزور ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے نڈر ہو جانا، یا اس کی رحمت سے مایوس ہو جانا کفر ہے، البتہ نبیوں کو وحی سے اور ولیوں کو کشف والہام سے، اور عام لوگوں کو نشانیوں سے کوئی بات معلوم ہو سکتی ہے۔ کسی کو نام لیکر کافر کہنا یا لعنت کرنا بڑا گناہ ہے، ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ظالموں پر لعنت، جھوٹوں پر لعنت، مگر جن کا نام لیکر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے، یا ان کے کفر کی خبر دی ہے ان کو کافر وملعون کہنا گناہ نہیں ہے۔ گناہ کے ارتکاب سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا، صرف گنہگار رہوتا ہے، ایسا شخص توبہ کرے، اور اللہ تعالیٰ سے دِل سے معافی چاہے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما سکتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو توبہ کئے بغیر بھی معاف کر سکتے ہیں۔

پچھلے دن پر ایمان:

اس سے یہ مقصد ہے کہ موت کے بعد سے لے کر قیامت تک اور قیامت کے بعد جنت اور دوزخ کے جو احوال اور واقعات قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ دِل سے ان کو صحیح یقین کرے، اور زبان سے ان کا اقرار کرے، ان میں کسی ایسے واقعہ کا انکار جو قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کفر ہے اور اس میں ایسا اینچ پیچ کر کے مطلب نکالنا جو عبارت کے صاف وصریح مطلب کے خلاف ہو بد دِینی ہے۔

جس وقت انسان پر موت کے آثار طاری ہوتے ہیں، اس پر برزخ کے احوال منکشف ہونے لگتے ہیں، اب یہ توبہ کا وقت نہیں، اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔ موت کے مقرر فرشتے مردہ کے جسم سے رُوح نکالتے ہیں، نیک لوگوں کی آسانی سے نکلتی ہے اور بُرے لوگوں کی بڑی سختی اور تکلیف سے نکلتی ہے، اور اسی وقت سے جزا اور سزا کا معاملہ شروع ہو جاتا ہے۔

جب آدمی مر جاتا ہے اگر گاڑا گیا تو گاڑنے کے بعد اور اگر گاڑا نہ جائے تو جس حال میں ہو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اور پوچھتے ہیں کہ تیرا پروردگار کون ہے، تیرا دِین کیا ہے، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔ اگر وہ ایمان دار ہو تو ٹھیک ٹھیک جواب دیتا ہے، پھر اس کے لیے سب طرح کا چین ہے اور

فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ آرام کی نیند سو جا، اور اگر مردہ ایمان سے محروم ہوا تو وہ ہر سوال کے جواب میں یہی کہتا ہے کہ مجھے خبر نہیں، تو پھر اس کے ساتھ سختی اور سزا کا معاملہ شروع کر دیا جاتا ہے۔ بعضوں کو اللہ تعالیٰ اس امتحان سے معاف فرما دیتا ہے مگر یہ باتیں مردے کو معلوم ہوتی ہیں، ہم لوگ نہیں دیکھ سکتے، جیسا سوتا ہوا آدمی خواب میں سب کچھ دیکھتا ہے اور آرام اور تکلیف اُٹھاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھا ہوا دوسرا جاگتا آدمی اس سے بے خبر رہتا ہے۔ مردے کے لیے دُعاء کرنے سے یا کچھ خیرات دے کر بخشنے سے اس کو ثواب پہنچتا ہے اور اس سے اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔

خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی جتنی نشانیاں بتائی ہیں سب ضرور ہونے والی ہیں، حضرت امام مہدی ظاہر ہوں گے، اور خوب انصاف سے بادشاہی کریں گے، کانا دجال نکلے گا اور دُنیا میں بہت فساد مچائے گا، اس کے مار ڈالنے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اُتریں گے اور اُس کو مار ڈالیں گے، یاجوج ماجوج دو زبردست قومیں ہیں، وہ تمام رُوئے زمین پر پھیل پڑیں گی، اور فساد برپا کریں گی، پھر خدا کے قہر سے ہلاک ہوں گی۔ ایک عجیب طرح کا جانور زمین سے نکلے گا، اور قرآن مجید اُٹھ جائے گا، اور چند روز میں تمام مسلمان ہلاک ہو جائیں گے، اور تمام دُنیا کافروں سے بھر جائے گی، کوئی اللہ کا نام لیوا باقی نہیں رہے گا، اور بہت سی باتیں ہوں گی، جب ساری نشانیاں پوری ہو جائیں گی تب قیامت کا سامان شروع ہوگا۔

﴿باقی آئندہ﴾

——————★★★★★——————

اسلامی سال کا پیغام!

اسلامی سنہ ہجری کا آغاز محرم الحرام سے اور اختتام ذوالحجہ پر ہے۔ محرم الحرام کے مہینے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ شہید ہوئے۔

اور ذوالحجہ وہ مہینہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے فرزندِ ارجمند کی قربانی پیش کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ سنہ ہجری کی ابتداء و انتہا سے جو سب سے بڑا سبق ہمیں مل رہا ہے، وہ **قربانی** ہے اور حق یہ ہے کہ اگر قربانی کی حقیقت ہم اپنے دِل میں اُتار لیں تو سارے دِین پر چلنا آسان ہو جائے۔

(ارشاد حضرت مولانا شاہ ابرار الحق نوراللّٰہ مرقدہٗ)

☆☆☆

——————★★★★★——————

ارشادِ حضرت یحییٰ بن معاذ الارازیؒ

''فرماتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ کی) سچی محبت کی علامت محبوب کی فرمانبرداری کرنا اور اُس کی اطاعت میں جان کھپا دینا ہے''